© rasailojaraid.com

الاُمّی کے معنیٰ کی تحقیق اور اس کے اطلاقات

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

استاذ الفقہ و التفسیر

شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

حضور اکرم ﷺ، سلسلہ نبوت و رسالت کی آخری کڑی ہیں۔ آپ ﷺ کی بعثت حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعاء کا جواب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا ظہور ہے۔ آل عمران کی آیت نمبر ۸۱ کی ایک معروف تفسیر کے مطابق، عالم ارواح میں، اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے آپکی رسالت پر ایمان لانے اور آپکی نصرت کرنے کا عہد لیا تھا۔ آپ ﷺ کا آخری پیغمبر ہونا، عالم انسانیت کے حق میں ایک بہت بڑی رحمت اور عالمی سطح پر باہم دگر اتحاد و اتفاق کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ اور یہی وہ نکتہ مرکزیہ ہے کہ جو سب اقوام و ملل میں باہمی پیار و محبت اور مودت و رحمت کی بنیاد بن سکتا ہے۔

تمام مذاہب کی کتابوں میں کسی ایک "آنے والا" کا جو تذکرہ ملتا ہے۔ وہ دراصل پیغمبر اسلام پر ہی منطبق ہوتا ہے۔ اس کسوٹی پر کوئی دوسرا آج تک نہ اتر سکا اور نہ ہی اتر سکتا ہے۔ دنیا بھر کے تمام مذاہب والے بظاہر آج بھی اس کے منتظر ہیں۔ جبکہ وہ اس دنیا میں آ کر سب اقوام کے ایمان و نصرت کا خود منتظر رہا۔ اس کے ماننے والے چودہ صدیوں سے آج تک تمام اقوام و ملل کے منتظر ہیں۔ کہ وہ آگے بڑھیں اور پیغمبر امن و سلامتی اپنا منتظر مان کر دنیا کو امن و آشتی کا گہوارہ بنا دیں۔

ہم نے مان ہی لیا، آپ ہیں روح کائنات
لوگ بھی مان جائیں گے، آج نہیں تو کل سہی

آمدم بر سر مطلب! از روئے قرآن حکیم، حضور نبی رحمت ﷺ کو الرسول النبی الامی کے القاب سے توراۃ و انجیل میں، جو یاد کیا گیا ہے وہ بلا سبب نہیں ہے۔ الرسول اور النبی کے معانی تو سب پر واضح ہیں۔ اس لیے اس مضمون میں اس پر گفتگو نہیں ہوگی اور و یسے بھی ہمارا موضوع لفظ امی کی توضیح اور تحقیق پر مشتمل ہے۔

لفظ الامی کی وضاحت میں مختلف معنیٰ پیش کیے جاتے ہیں۔ جو کہ یہ ہیں۔

۱۔ ناخواندہ، ان پڑھ، جاہل، بے پڑھا لکھا۔

۲۔ اپنی اصل پر قائم رہنے والا۔ اصل سے مراد فطرت ہے، جس پر وہ پیدا ہوا اور تادم مرگ اس پر قائم رہا۔

۳۔ مکہ کا رہنے والا (نیو اسٹینلی)

۴۔ صاحب امت یعنی امت والا۔ بایں معنیٰ امت کی ت کو نسبت کے وقت حذف کر دیا جاتا ہے۔ جیسے مکۃ" سے مکی اور مدینۃ" سے مدنی میں ت حذف کر دی جاتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنجناب ﷺ کو جو الامی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اس کا معنیٰ کیا ہے؟ بالعموم ہمارے مترجمین و مفسرین نے الامی کا معنیٰ ان پڑھ، بے پڑھا اور ناخواندہ جیسے الفاظ سے کیا ہے۔ اور اس ظاہری عیب کو آپ ﷺ کا وصف شمار کیا ہے۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

سورۃ الاعراف کی دو متصل آیات (۱۵۷۔۱۵۸) میں آپ کو امی قرار دیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں یہ ذکر اس طرح آیا ہے:

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل ۔الخ۔

جو لوگ اس رسول، نبی، امی (لقب والے) کی پیروی کرتے ہیں۔ جنھیں وہ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

آیت میں "عندھم" کی ضمیر، توراۃ و انجیل کے ماننے والوں کی طرف جاتی ہے مراد اس سے اہل کتاب ہیں۔ اور پھر آگے چل کر انہی کتابوں کے ماننے والوں کی تعریف و توصیف بایں الفاظ کی گئی ہے۔

فالذین امنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس جو لوگ ایمان لائے اور انکی تعظیم کی اور انکی نصرت وحمایت کی اور اس نور کی پیروی کی، جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا۔ وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبر اسلام کا تعارف، کتب ماسبق میں فقط الرسول اور النبی کا نہیں بلکہ الامی کا بھی ہے۔ اور یہی آپکی خصوصیت ہے۔ جس نے آپ کو زمرۂ انبیاء ورسل میں ممتاز کردیا ہے۔ اس لئے امی کا معنی اگر بے پڑھا، ان پڑھ یا ناخواندہ سے کیا جائے اور تفسیری حاشیہ میں کچھ اس طرح وضاحت کردی جائے کہ چونکہ آپ نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کئے۔ کسی سے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی۔ اس لئے آپ کو امی کہا جاتا ہے تو جناب اچھے کہئے دیکھئے کہ یہ تعریف تو سب نبیوں پر صادق آتی ہے۔ اسمیں ہمارے نبی کی تخصیص کیا؟ اس معنی کی رو سے کیا حضرت آدم علیہ السلام امی نہ تھے؟ (بلکہ وہ تو بدرجہ اولیٰ تھے) کیا حضرت نوح علیہ السلام نے کہیں سے پڑھا تھا؟ کیا حضرت ادریس علیہ السلام نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیئے تھے؟ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی تھی؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی مکتب میں بٹھائے گئے تھے؟ وقس علی ذلک! اس معنی کی رو سے ہمیں جملہ انبیائے کرام کو امی ماننا پڑے گا اور بایں صورت یہ ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیت نہ رہیگی۔ بلکہ یہ وصف بھی نبوت ورسالت کا لازمہ یا عارضہ بن جائے گا۔ حالانکہ مذکورہ بالا آیت کے مطابق تورات وانجیل میں وارد "الامی" کے وصف امتیازی نے رسول کو الرسول اور نبی کو النبی کردیا ہے۔ یعنی نکرہ کو معرفہ بنادیا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ اب عام رسول نہیں بلکہ خاص رسول ہے۔ اس طرح عام نبی نہیں بلکہ خاص نبی ہے۔ اور یہ وہ رسول ونبی ہے۔ جو "الامی" ہے۔ یعنی وہ امّ القریٰ کا رہنے والا ہے۔ (اسکی وضاحت ذرا آگے چل کر آتی ہے) یہ وہ نسبت ہے، جسمیں کوئی نبی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت آدم سے لیکر جناب عیسیٰ تک کوئی پیغمبر بھی ایسا نہیں۔ جو امّ القریٰ میں پیدا ہوا ہو۔ چنانچہ اس معنی کی رو سے سوائے آپ ﷺ کے کسی پیغمبر کو امی نہیں کہا جاسکتا۔

مذکورہ بالا آیت میں، میں نے امی کا مطلب امّ القریٰ کی نسبت سے بیان کیا ہے۔ قبل اس کے کہ میں الاعراف کی اگلی آیت (نمبر ۱۵۸) کی وضاحت کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امّ القریٰ کی بھی قدرے وضاحت کردوں۔

امّ القریٰ کا لفظی معنی ہے۔ بستیوں کی اصل یا بستیوں کا مرکز یا بستیوں کا مرجع۔ اور قرآن مجید کی رو سے یہ مکہ معظمہ کا معروف نام ہے۔ اس سلسلے میں قرآنی سند ملاحظہ فرمایئے۔

وهذا كتاب انزلناه مبارك مصدق الذى بين يديه ولتنذر امّ القرىٰ ومن

حولها۔ (الانعام ۹۲)

یہ کتاب (یعنی قرآن) جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ بڑی بابرکت اور اس کتاب کی مصدق ہے جو اس سے پہلے دی گئی تاکہ تم اس کے ذریعے امّ القریٰ (مرکزی مقام) اور اسکے تمام اطراف وجوانب کی بستیوں کو انذار کرو۔

اس آیت میں امّ القریٰ کا لفظ مکۃ المکرمہ کے لئے آیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک آیت اور ملاحظہ ہو:

وكذالك اوحينا اليك قرآنا عربيا لتنذر امّ القرىٰ ومن حولها.

(الشوریٰ ۷)

اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف یہ واضح اور بولتا ہوا قرآن اتارا تاکہ تم اس (قرآن) کے ذریعے امّ القریٰ (مرکزی مقام) اور اس کے تمام اردگرد کی آبادیوں (یعنی کل دنیا) کو انذار کرو۔ یہاں بھی امّ القریٰ کا لفظ مکہ معظمہ کے لئے آیا ہے۔

امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) نے لکھا ہے۔ وقيل لمكة امّ القرىٰ وذلك لما روى ان الدنيا دحيت من تحتها یا

امّ القریٰ مکہ کو کہا جاتا ہے اس لئے کہ زمین اس کے نیچے سے بچھائی گئی ہے۔ یعنی وہ زمین کا مرکز ہے۔ امّ القریٰ (مکہ) کی جغرافیائی مرکزیت اس لحاظ سے بھی مسلم ہے کہ تمام براعظموں کے مسلمان جیومیٹری میں استعمال ہونے والے پرکار، کے مرکزی نقطہ کی طرح اسے اپنا مرکز ومحور سمجھتے ہیں۔ اور قدیم جغرافیہ دانوں کی تحقیق کے مطابق بھی یہ کرۂ ارض کے عین مرکز میں واقع ہے۔ اور جدید دنیا اسکے نیچے آباد ہے۔ گویا وہ معنی جو امام راغب نے کیئے ہیں۔ وہ اپنے ظاہر میں بھی درست ہیں۔ ۔ نیز امّ القریٰ اسے اس لیئے بھی کہا گیا ہے کہ ساری دنیا کو روحانی غذا یہیں سے ملتی ہے۔ کیونکہ خانہ کعبہ کو (جو مکہ میں واقع ہے) تمام دنیا کا قبلہ (مرکز ومرجع) قرار دیا گیا ہے۔ بایں سبب دنیا بھر کے لوگ امّ القریٰ میں اس طرح اکٹھے اور جمع ہوتے ہیں جیسے بچے اپنی ماں (امّ) کی طرف مراجعت کرتے ہیں اس لئے صحیح معنی میں یہ تمام بستیوں اور آبادیوں کی ماں ہے۔

امّ القریٰ میں آپ کا ظہور، دراصل آپ کے "مرکزی رسول" ہونے کا اعلان ہے۔ کیونکہ خاتم النبیین والمرسلین کی بعثت کا مرکز، وہی مقام ہوسکتا تھا۔ جو دنیا کا مرکز ہے۔ بایں معنی امی کا مطلب [illegible] کی حامل شخصیت۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جسطرح کہ مکہ معظمہ تمام بستیوں اور آبادیوں کا مرکز اور مرجع ہے۔ اسی طرح آپ جناب ﷺ کی ذات گرامی بھی تمام جہانوں کے لئے بطور مرکز اور مرجع کے ہے اور یہی معنی ہے آپ کے الامی ہونے کا۔ جیسا کہ امام راغب نے لکھا ہے۔ وقیل سمی بذلک لنسبته الیٰ ام القری ۲ یعنی آپ کو اُم القریٰ کی نسبت سے بھی اُمی کہا جاتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جسطرح حضرموت کے رہنے والے کو حضرمی کہا جاتا ہے۔

بعض لوگ ''اُم القریٰ'' کی نسبت سے ''اُمی'' کے لفظ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ از روئے قواعد عربیہ اُم القریٰ سے اُمی کا لفظ نہیں بنتا۔ گو اسکے جواب میں علماء اور محققین کی متعدد شہادتیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر میں اس مقام پر قرآن مجید سے استشہاد کرنا چاہتا ہوں۔ جس کے بعد کسی شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

سورۃ قصص کی آیت نمبر ۵۹ میں ''فی امھا'' کے الفاظ آئے ہیں۔ جہاں اُم سے مراد ''مرکزی مقام'' کو لیا گیا ہے۔ آیت ملاحظہ ہو۔

وما کان ربک مھلک القریٰ حتیٰ یبعث فی امھا رسولا یتلوا علیھم ایاتنا ۔الخ

تیرا رب، بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کے مرکزی مقام میں رسول نہ بھیج دے، جو ان پر ہماری آیتیں پڑھتا ہو۔

جس طرح ہر نبی کی نبوت کا ایک مرکزی مقام ہوتا ہے۔ اس طرح آنحضرت ﷺ کی نبوت کا بھی ایک مرکزی مقام ہے۔ اور وہ اُم القریٰ ہے۔ جسے بطور تخفیف واختصار اُم بھی کہا جاتا ہے ۳ اور بعض مفسرین کے مطابق یہاں ''اُمھا'' سے مراد اُم القریٰ یعنی مکہ ہی ہے۔

معاف کیجئے گا۔ بات ذرا لمبی ہوگئی۔ اوپر عرض کیا تھا کہ ''قبل اسکے کہ الاعراف کی آیت نمبر ۱۵۸ کی وضاحت کروں۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ لفظ اُم القریٰ کی وضاحت کردوں۔ سو اس وضاحت کے بعد حسب وعدہ بالا آیت کی تشریح پیش نظر ہے۔

اس آیت میں بھی آپ کو انہی تین القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ یعنی الرسول۔ النبی۔ الامی۔

آیت ملاحظہ ہو:

قل یاایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا ن الذی لہ ملک السمٰوت والارض لا الٰہ الا ھو یحیی ویمیت فامنو باللّٰہ ورسولہ النبی الامی

© rasailojaraid.com

الذی یومن باللّٰہ وکلمتہ واتبعوہ لعلکم تھتدون۔

اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ وہ اللہ کہ سب آسمان و زمین کی بادشاہت اس کے لیئے ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر اسی کی ایک ذات وہی جلاتا ہے۔ وہی مارتا ہے پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اسکے رسول، نبی، اُمّی پر کہ جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے۔ اسکی پیروی کرو تا کہ تم کامیاب ہوسکو۔

اس آیت میں ''یا ایھا الناس '' اور ''الیکم جمیعا '' کے الفاظ کی عمومیت پر کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔ دنیا جہاں کے تمام افراد اسمیں شامل ہیں۔ یہ آیت آپکی رسالت کے بیکراں ہونے پر نص کے طور پر وارد ہوئی ہے۔ اس سے آپکی رسالت کی ''مرکزیت'' بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ ایسا دعویٰ کسی نبی کے ہاں نہیں ملتا۔ قبل ازیں تمام نبی اور رسول زمان ومکان کی حدود میں نبوت ورسالت کے منصب پر فائز کیئے گئے۔ جبکہ عالمی نبوت ورسالت کا اعلان فقط اور فقط محمد رسول اللہ نے کیا۔ ظاہر ہے کہ مرکزی رسالت کے اعلان کے لئے مرکزی مقام کا ہونا ضروری تھا۔ اس لیئے اس آیت میں مرکزی رسالت کے اعلان کے ساتھ ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو النبی الامی کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ جسکا صاف اور صریح مطلب ہے۔ دنیا کے مرکزی مقام پر ظاہر ہونے والا مرکزی پیغمبر، جسکی دعوت کل عالم کے لئے ہے۔ چنانچہ کل عالم کے داعی کو الامی (یعنی مرکزی حیثیت کا حامل) ہی ہونا چاہیئے ورنہ اس مقام پر اس لفظ کے استعمال کا کوئی دوسرا معنی نہیں بنتا۔

یہ وہ آیات تھیں کہ جن میں حضور ﷺ کو براہ راست اُمی کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ اب ایک اور آیت دیکھئے کہ جسمیں یہ لفظ، حضور نبی اکرم ﷺ کے تعلق سے جمع کے صیغے میں آیا ہے۔ اس لیئے اس مقام کو سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ٥ واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم ٥ (الجمعہ ۲۔۳)

وہ وہی ہے کہ جس نے اُمی لوگوں میں انہی میں سے (عظمت والے) رسول کو بھیجا۔ وہ ان پر اسکی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ قبل ازیں وہ کھلی گمراہی میں تھے۔ اور انہی میں کے دوسرے جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ اور وہ (اللہ) غالب حکمت والا ہے۔

آپ کہیں گے کہ یہاں امیین کا لفظ، حضور ﷺ کے تعلق سے کیسے آیا ہے؟ تو میں عرض کروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گا کہ رسولاً منھم میں جو ھم کی ضمیر آئی ہے اس کا مرجع امیین کے سوا اور کیا ہے؟ یعنی یہ وہ رسول ہے جو انہی امیین میں سے ہے۔ یہاں امیین کا لفظ داعی اور مدعوین دونوں کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ اس اشتراک لفظی کے تحت امیین کا وہ معنی بیان کیا جائے، جو دونوں میں مشترک ہو اور وہ سوائے اس کے کوئی اور نہیں بنتا کہ امیین سے مراد اہل مکہ کو لیا جائے یعنی اُمّ القریٰ کے رہنے والے۔ اس معنی کی رو سے مذکورہ بالا آیت میں مطلوب حصے کا ترجمہ یہ ہوگا۔ وہ وہی ہے کہ جس نے مکہ والوں میں انہی میں سے ایک (عظمت والا) رسول بھیجا۔ بصورت دیگر اس کا ترجمہ یہ ہوگا۔ وہ وہی ہے کہ جس نے جاہلوں میں انہی میں سے ایک عظمت والا رسول بھیجا۔ اور یہ ترجمہ کسی طرح بھی حضور ﷺ کے شایان شان نہیں ہے اور نہ ہی مطابق قرآن ہے۔

اب آپ سورۂ جمعہ کی اس آیت کو، سورۂ بقرہ کی روشنی میں دیکھیے۔

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم۔۔ الخ (البقرہ،۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار ان میں (یعنی مکہ والوں میں) انہی میں سے ایک عظمت والا رسول مبعوث فرما۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وہ دعا ہے جو تعمیر کعبہ کے وقت، رب کے حضور پیش کی گئی۔ اس دعا میں رسولاً منھم، اس معنی میں آیا ہے جس معنی میں سورۂ جمعہ میں آیا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ اسکے ماقبل سورۂ بقرہ میں "فیھم " کا لفظ آیا ہے اور سورۂ جمعہ میں فی الامیین کا۔ ظاہر ہے کہ "فی الامیین " کا مطلب وہی ہے، جو " فیھم " کا ہے۔ اور فیھم کا مطلب کسی طرح بھی ناخواندہ جاہل اور ان پڑھ نہیں بنتا۔ اس کا مطلب بنتا ہے "انہی میں" یعنی مکہ والوں میں۔ تو لامحالہ فی الامیین کا مطلب بھی یہی ہوگا۔ بصورت دیگر دعائے ابراہیمی اور جواب خداوندی میں کوئی مناسبت نہیں رہے گی۔

یہاں تک تو اُمّی کا معنی آنحضرت ﷺ کے تعلق سے بیان ہوا۔ اب آیئے دو تین مقامات بھی دیکھ لیں کہ جہاں بھی لفظ جمع کے صیغے میں دوسروں کے تعلق سے استعمال ہوا ہے۔ سب سے پہلے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۲۰ اور ۷۵ ملاحظہ ہوں۔

فان حاجوک فقل اسلمت وجھی للہ ومن اتبعن، وقل للذین اوتو الکتاب والامیین ءاسلمتم، فان اسلموا فقد اھتدو، وان تولوا فانما علیک البلاغ، واللہ بصیر بالعباد ۵ (آل عمران،۲۰)

سو اگر وہ تم سے جھگڑا کریں تو کہہ دو کہ میں نے اپنے معبود کے سامنے اپنی گردن جھکا دی ہے اور

متبعین نے بھی اور تم ان لوگوں سے جنھیں کتاب دی گئی اور امیین یعنی اہل مکہ سے (جو کسی آسمانی کتاب کے مدعی نہیں ہیں) کہہ دو کہ کیا تم بھی (اللہ تعالیٰ کے حضور) اپنی گردن جھکانا چاہتے ہو؟ پھر اگر وہ مان لیں تو وہ ضرور کامیاب ہوں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو تم پر انکی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ اللہ اپنے تمام بندوں (کے اعمال) کو دیکھنے والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی دعوت صرف امیین یعنی اہل مکہ کے لئے نہیں تھی بلکہ ان لوگوں کے لئے بھی تھی۔ جنھیں کتاب دی گئی۔ یہاں ان دونوں گروہوں کو یکساں خطاب کرنے میں دراصل اس امر کا اظہار ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت، کل عالم کے لئے ہے۔ یہ وہی بات ہے جو سورۂ انعام کی آیت نمبر ۹۲ اور سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۷ میں "اُمّ القریٰ ومن حولھا " کے الفاظ میں آئی ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ شہر مکہ کو مرکز اور کل عالم کو اس کا "حول" قرار دے کر، انذار کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ آیت اپنے اصل مضمون کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کی عالمی اور مرکزی نبوت و رسالت کی بھرپور آئینہ دار ہے۔

چنانچہ اس آیت میں موجود لفظ اُمّیین سے ان پڑھوں کا مفہوم اخذ کرنا کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہے۔ جبکہ قرآن مجید میں یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے کہ اہل مکہ، نوشت وخواند سے اچھی طرح واقف تھے۔ اگر وہ واقف نہ ہوتے تو یہ ہرگز نہ کہتے۔

ولن نومن لرقیک حتیٰ تنزل علینا کتا باً نقروہ۔ الخ (بنی اسرائیل،۹۳)

اور ہم تمہارے (آسمان پر) چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ تم ہم پر ایک کتاب نہ اتار لاؤ۔ جسے ہم پڑھیں۔

ذرا سوچیے یہ مطالبہ کیا نوشت وخواند سے عاری کسی قوم کا ہو سکتا تھا؟ اس سلسلے میں مزید سورۂ مدثر کی آیات (۵۲۔۵۳) بھی دیکھیے:

بل یرید کل امری ء منھم ان یوتیٰ صحفا ، منشرۃ کلاّ ط بل لا یخافون الاخرۃ ۵

بلکہ ان (کفار مکہ) میں سے ہر فرد بشر کا مطالبہ یہ ہے کہ کھلے ہوئے اوراق، لکھے لکھائے صحیفے کی صورت میں انہیں عطا کر دیے جائیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ لوگ آخرت سے بے خوف ہیں۔

بتایئے! کیا یہ مطالبہ کرنے والے ان پڑھ، جاہل اور نوشت وخواند سے عاری ہو سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوراب ہمارے سلسلہ بیان کی پانچویں آیت ملاحظہ ہو:

ومن اهل الكتاب من ان تامنه بقنطار يوده اليك ج ومنهم من ان تامنه بدينار لا يوده اليك الا مادمت عليه قائماً ط ذلك بانهم قالوا ليس علينا في الاميين سبيل ج ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون ٥ (آل عمران/۷۵)

اس آیت میں موجود لفظ "امیین" کا ترجمہ بالعموم ان پڑھوں اور جاہلوں کے الفاظ سے ادا کیا جاتا ہے نمونے کے طور پر ایک ترجمہ ملاحظہ ہو۔

بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو خزانے کا امین بنا دے تو بھی وہ تجھے واپس کر دیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے۔ اس لیئے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں (غیر یہودی) کے حق کا کوئی گناہ نہیں۔ یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ (ترجمہ: مولانا محمد جونا گڑھی)

آیت کے مطابق یہاں اہل کتاب کا امیین کے ساتھ امانتوں کے واپس کرنے اور نہ کرنے کا معاملہ بیان ہوا ہے۔ ظاہراً لفظ "إليك" کا خطاب، مسلم برادری کے ہر فرد سے معلوم ہوتا ہے۔ یوں بعض اہل کتاب کا یہ معاملہ بالعموم تمام مسلمانوں کے ساتھ تھا نہ کہ مشرکین مکہ کے ساتھ اس لیئے کہ وہ تو ایک دوسرے کے حلیف اور مددگار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امتیاز کے طور پر مسلمانوں کو "امیین" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اگر یہاں امیین کا معنی جاہلوں اور ان پڑھوں سے کیا جائے تو اسکا مطلب بڑا مضحکہ خیز ہوگا اور وہ یہ کہ وہ (یہودی) پڑھے لکھے لوگوں کو تو انکی امانتیں واپس کر دیا کرتے تھے۔ مگر جاہلوں اور ان پڑھوں کے ساتھ بددیانتی کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی تو کسی کو بھی قبول نہ ہوگا۔

پس آیت کا صحیح معنی یہ ہے کہ بعض اہل کتاب مسلمانوں کو اپنے مذہب کا مخالف سمجھ کر بددیانتی کا ارتکاب کرتے تھے۔ یعنی انکی گمراہی یہ تھی کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ تو کوئی بدمعاملگی نہ کریں لیکن اگر کوئی شخص، کسی دوسرے مذہب کا ہو تو اس کے ساتھ دیانت داری کا مظاہرہ کرنا کچھ ضروری نہ سمجھیں۔ یہی انکی وہ فکری، اعتقادی اور عملی کجروی تھی، جسکی قرآن نے قلعی کھولی ہے۔ چنانچہ اس آیت میں امیین کا لفظ مسلمانوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ نہ کہ جاہلوں اور ان پڑھوں کے لئے۔

یہاں یہ امر واضح ہو کہ اکثر مترجمین و مفسرین کے برعکس یہاں امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ

© rasailojaraid.com

تعالیٰ علیہ نے امیین سے مراد بنی اسماعیل کو لیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ مسلمان ہیں یا مشرک۔ بہر حال انکی تفسیر بھی ایک اعتبار سے ہمارے حق میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے بھی یہاں ان پڑھوں کے مفہوم سے انکار کیا ہے۔

اوراب ہمارے سلسلہ بیان کی آخری آیت ملاحظہ ہو:

ومنهم أميون لا يعلمون الكتاب الأ اماني وان هم الا يظنون ٥ (البقرہ/۷۸)

ان اہل کتاب میں کچھ نام نہاد علماء (امیون) ہیں۔ جنہوں نے اپنی جھوٹی آرزوؤں اور خوش فہمیوں کو، کتاب کا درجہ دے رکھا ہے اور محض ظنون و اوہام میں مبتلا ہیں۔

یہ آیت اپنے اطلاق و انطباق میں گذشتہ آیتوں سے بالکل مختلف ہے اسمیں امیون کا لفظ، اہل کتاب (یہودیوں) کے نام نہاد علماء کے تعلق سے آیا ہے۔ مگر معنی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آپ یہ سوال کریں کہ امیون کے اس معنی کی سند کیا ہے؟ سو عرض ہے کہ اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کو کتاب الٰہی کا درجہ دینے والے علماء ہوتے ہیں کہ جہلا؟ واضح رہے کہ اس امر کی نشاندہی خود قرآن مجید نے اگلی آیت میں کر دی ہے کہ وہ علماء تھے جہلا نہ تھے۔ آیت ملاحظہ ہو۔

فويل للذين يكتبون الكتاب بايد يهم ثم يقولون هذا من عند الله ليشتروا به ثمناً قليلا ط ۔ الخ (البقرہ/۷۹)

پس افسوس ہے ان پر جن کا شیوہ یہ ہے کہ خود اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں (یعنی اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کو فتووں کی شکل میں) پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے (یعنی اسمیں جو کچھ تحریر ہے وہ سب احکام خداوندی ہیں) اور یہ سب کچھ اس لیئے کرتے ہیں کہ اس کے بدلے تھوڑا سا فائدہ دنیوی حاصل کر سکیں۔

ظاہر ہے کہ اپنے ہاتھوں سے کتابیں لکھنے والے، نوشت وخواند سے ناواقف نہیں ہو سکتے۔ یہ کام تو علماء ہی کر سکتے ہیں۔ کہ اپنی خواہشوں اور آرزوؤں کو فتووں کی شکل میں لکھ دیں اور اسے حکم شریعت بنا دیں۔

بہر حال یہ قرآن مجید کا واحد مقام ہے کہ جہاں امیون کا لفظ یہود کے لئے آیا ہے نہ صرف یہود بلکہ علمائے یہود کے لئے۔

یہاں یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اگر میں اردو کے دو ایک مترجموں اور مفسروں کے نمونے بھی پیش کر دوں کہ جنہوں نے امیون کے معنی تو ان پڑھ کے لئے ہیں مگر ساتھ ہی امانی کے معنی پڑھنے

© rasailojaraid.com

کے لئے ہیں۔ اس طرح اُمّیون کا لفظ خود ان کے نزدیک اپنے معانی (یعنی جاہل، ان پڑھ، ناخواندہ وغیرہ) سے ہٹ گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مولانا محمد جونا گڑھی نے اس آیت کا ترجمہ بایں الفاظ کیا ہے۔

اوران میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں کہ جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں اور صرف گمان اور اٹکل ہی پر ہیں۔ ۵

مفتی احمد یار خان نعیمی رقمطراز ہیں:

لایعلمون الکتاب ۔ اس کتاب سے توریت شریف مراد ہے اور علم سے جاننا مراد ہے یا سمجھنا۔ یعنی پڑھ تو لیتے ہیں۔ سمجھتے نہیں۔ ۶

مولانا احمد سعید کاظمی فرماتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں "اُمّیون" سے جہلاء یہود مراد ہیں۔ جنہیں توراۃ کا کچھ علم نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ توراۃ پڑھ لیتے تھے لیکن اس کے معنی سمجھنے میں وہ جاہل تھے۔ انہیں توراۃ کے معانی کا کچھ علم نہ تھا۔ ۷

واضح رہے کہ مذکورہ بالا حوالے، ہمارے موقف کے حق میں فقط تائید کے طور پر لائے گئے ہیں جہاں تک آیت میں موجود لفظ اُمّیون کا تعلق ہے وہ قرآنی سیاق کے مطابق پہلے ہی علمائے یہود کے حق میں ثابت کیا جا چکا ہے۔

خلاصہ مضمون کے طور پر عرض ہے کہ:

۱۔ قرآن مجید کی سورۂ اعراف کی دو متصل آیات (۱۵۷۔۱۵۸) میں آنحضرت ﷺ کے تعلق سے جو لفظ الاُمّی آیا ہے۔ اس کے معنی مرکز و مرجع کے ہیں۔ اور جو مرکز و مرجع ہو، اسکے خاتم النبیین والمرسلین ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

۲۔ آنحضرت ﷺ کو اُمّ القریٰ میں ظاہر ہونے کی وجہ سے اُمّی کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ جس طرح اُمّ القریٰ، تمام بستیوں کا مرکز اور تمام آبادیوں کا مرجع ہے۔ اسی طرح اُمّ القریٰ کی نسبت سے ظاہر ہونے والا رسول بھی انہی خصوصیات کا حامل ہے۔ یعنی عالمی رسول اور مرجع خلائق۔

۳۔ آپ کے اُمّی لقب ہونے کا تذکرہ توراۃ وانجیل میں پایا جاتا ہے۔ دراصل یہ آپکی بعثت کی پیش گوئی تھی کہ وہ اُمّ القریٰ کا باسی ہوگا۔ نیز عالمی مرکزی مقام پر ظاہر ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مرکزی یعنی عالمی رسول ہوگا۔ اور یہ اس کے خاتم النبیین والمرسلین ہونے کی دلیل بھی ہے۔

۴۔ سورۂ جمعہ کی آیت نمبر ۲ میں اُمّیین کا لفظ آنحضرت ﷺ کے تعلق سے اہل مکہ کے لئے استعمال ہوا ہے جسکی تفسیر سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹ سے بھی ہوتی ہے۔

۵۔ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۹۲ اور سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۷ سے آنحضرت ﷺ کی عالمی اور مرکزی نبوت و رسالت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

۶۔ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۲۰ میں اُمّیین کا لفظ اہل مکہ کے لیے جبکہ آیت نمبر ۷۵ میں اُمّیین کا لفظ مسلمانوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ خواہ وہ مکہ کے رہنے والے ہوں یا مدینے کے۔

۷۔ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۵۹ میں اُمّیون کا لفظ، علمائے یہود کے لئے استعمال ہوا ہے۔

۸۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۹۳ اور سورۂ مدثر کی آیات نمبر ۵۲۔۵۳ کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اہل مکہ نوشت وخواند سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہیں ناخواندہ سمجھنا قرآن کے خلاف ہے۔

حوالہ جات

۱۔ المفردات فی غریب القرآن، ص ۲۲، الناشر، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ۔ کراچی، سنہ اشاعت درج نہیں

۲۔ ایضاً، ص ۲۲

۳۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد اول (الف مقصورہ) اردو ترقی بورڈ، کراچی، ۱۹۷۷ء

۴۔ تدبر قرآن، جلد دوم، ص ۱۲۳، تفسیر زیر آیت نمبر ۷۵، آل عمران، فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۸۳ء

۵۔ اردو ترجمہ قرآن، جسکا کوئی نام نہیں، شائع کردہ، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، سعودی عرب، سنہ اشاعت درج نہیں۔

۶۔ تفسیر نعیمی، جلد اول، ص ۴۵۴، مکتبہ اسلامیہ، مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات، سنہ اشاعت درج نہیں

۷۔ التبیان مع البیان (پہلا پارہ) ص ۲۳۴، کاظمی پبلیکیشنز، انوار العلوم، ملتان، بار اول، ۱۹۹۳ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کا تصور آزمائش و پیمائش

اعجاز احمد

مددگار پروفیسر شعبہ تعلیمات، جامعہ اردو، کراچی

ہر دور میں کسی نہ کسی انداز سے اساتذہ کرام اپنے تعلیمی و تدریسی عمل کا جائزہ لیتے رہے ہیں جس طرح زمانے کے اعتبار سے تعلیم کے مقاصد معین رہے ہیں۔ اسی طرح اساتذہ نے اپنے تعلیمی عمل کا جائزہ مختلف ادوار میں مختلف انداز سے لیا ہے کبھی اساتذہ طلبہ کی حاضر جوابی، فن تقریر اور طاقت کا جائزہ لے کر اس کو مفید و بہتر شہری کا خطاب دیا کرتے تھے گویا جس انداز سے بھی خود کا جائزہ لیا وہ امتحان کہلایا۔ اسلامی نظام تعلیم میں تعلیمی عمل کا جائزہ و عمل کی یکسانیت سے لگایا جاتا رہا ہے کہ کسی فرد نے علم حاصل کرنے کے بعد اس پر کتنا عمل کیا۔ اسی طرح اسلامی نظام تعلیم میں فرد کے ظاہر و باطن میں یکسانیت کو معیار بنایا گیا۔

اسی چیز کو دیکھتے ہوئے ماہرین تعلیم نے طلبہ کی ہمہ جہتی معلومات حاصل کرنے نیز اس سے رہنمائی حاصل کرنے کا باقاعدہ ایک نظریہ پیش کیا ہے، جس کو تشخیص قدر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

تشخیص کے لفظی معنی کسی چیز کے بارے میں جاننے، تحقیق کرنے، اور معلومات حاصل کرنے کے ہیں قدر کے معنی خوبی کے ہیں اور یہ دونوں الفاظ باہم مل کر کسی فرد کی شخصیت کی خوبی جاننے کے لئے ایک ضابطہ کی حیثیت رکھتے ہیں طلبہ کی شخصیت کے جاننے کے اس طریقہ کار کو باقاعدہ با مقصد ہمہ گیر و مسلسل عمل کا نام دیا ہے۔ اس عمل میں مقصدیت کو مسلسل تجربات کی روشنی میں پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے سعی کی جاتی ہے گویا اس طریقہ کار میں مقصد طریقہ کار اور مسلسل عمل کی ضرورت ہے۔ ذیل میں ہم تشخیص قدر کے مفہوم و عمل کو اسلامی نظر سے دیکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے مقصد نہیں بھیجا ہے اس کو ایک منظم ضابطہ حیات عطا کیا ارشاد باری

تعالیٰ ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

ترجمہ: جن و انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا (۵۱: الذاریات۔۵۶)

اس آیت مبارکہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جن و انس کو پیدا کرنے کا مقصد رب العزت نے اپنی عبادت قرار دیا ہے اور عبادت یوں کی جائے کہ اس میں حق اللہ اور حق العباد دونوں شامل ہوں اور دونوں عبادات کا حق مکمل دیانتداری سے ادا ہو یعنی کہ انسان محض حق اللہ ہی میں مشغول ہو کر خلق خدا کے حقوق ادا نہ کر سکے اور نہ ہی ایسا ہو حق العباد کی ادائیگی میں اپنے رب کو بھول جائے اس طرح اپنی دو گونہ عبادت میں اپنے ہر ہر عضو کو قول و فعل کی یکسانیت اور جوابدہی کے لئے تیار رکھنا ہے اس چیز کو اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے کہ (ترجمہ): اور اس دن سے ڈرو تم اللہ کے حضور لوٹ جاؤ گے پھر ہر شخص کو اپنے اعمال کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا اور کسی پر زیادتی نہ ہوگی۔

اس آیت مبارکہ میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان کو اپنے ہر عمل کا جواب دینا ہے یعنی جو کچھ وہ اس دنیا میں کرے گا اس کا صلہ اس کو مل کر رہے گا رب کریم ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

وھو الذی جعلکم خلئف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجت لیبلوکم فی ما اتکم

ترجمہ: جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دیے تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ (۶: انعام۔۱۶۵)

آیت کریمہ کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان کے ہر عمل کا جائزہ لیا جائے گا اور ان کی آزمائش کی جاتی رہے گی پھر ان کو ان کے معیار کے مطابق درجات دیے جائیں گے اسلام میں جانچ پر معیار قائم کرنا۔ نتیجہ دینا پھر نتیجہ پر صلہ دینا یا ایک پورا عمل ہے اور یہ عمل فرد کی شخصیت کی خصوصیات فراہم کرتا ہے اور یہی عمل اسلام کے تشخیص قدر کا نظریہ کہلاتا ہے یوں اسلامی تشخیص قدر کا عمل، مسلسل اور با مقصد ہے۔

اسلامی تشخیص قدر:

اسلامی تشخیص قدر میں فرد کے تمام افعال کا جائزہ ہمہ گیریت کے ساتھ لیا جاتا ہے جس میں فرد کا پیدائش سے لے کر دم مرگ تک کا جائزہ اور ظاہر و باطن قول و فعل شامل ہیں۔ اسلامی نظریہ کے تحت فرد کے قول و فعل میں تضاد کو یکسر رد کر دیا گیا ہے قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يا ايها الذين امنوا لم تقولون مالا تفعلون

ترجمہ: اے ایمان والو! وہ کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ (۶۱: الصف۔ ۲)

گویا اسلام اقوال و اعمال میں تعارض پسند نہیں کرتا۔ وہ ظاہر کو باطن کے آئینے میں اور صورت کو سیرت کے آئینے میں دیکھنا چاہتا ہے یعنی وہ گفتار و کردار میں کوئی فرق نہیں کرتا۔

وارثان منبر و محراب کو کیسے کہوں
آدمی کو صاحب کردار ہونا چاہیے

دوسری جانب اسلامی تشخیص قدر میں فرد کی جانچ کے لئے اس کے ہر عمل کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے جو پیدائش سے لے کر موت تک جاری رہتا ہے اسلامی تشخیص قدر کا عمل فرد کے انفرادی اختلاف کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام سے چیزوں کے نام پوچھ کر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال کر اور بیٹے کی قربانی مانگ کر۔ حضرت یونس علیہ السلام کو بطن ماہی میں ڈال کر اور حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن دے کر آزمایا گیا۔ نبی آنحضرت ﷺ کو شعب ابی طالب کی گھاٹی میں محصور رکھ کر اور طائف کے بازاروں میں لہولہان کروا کے آزمایا۔ یہ تمام واقعات اسلامی تشخیص قدر کے پہلو کو اجاگر کرتے ہیں اسی چیز کو قرآن پاک میں یوں بیان کیا ہے۔

ولنبلونكم بشئى من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات

ترجمہ: اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر و فاقہ کشی جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ (۲: البقرہ۔ ۱۵۵)

اسی چیز کو سورۃ آل عمران میں کچھ اس طرح بیان کیا۔

لتبلون فى اموالكم وانفسكم

ترجمہ: مسلمانوں تمہیں مال و جان دونوں کی آزمائشیں پیش آ کر رہیں گی۔ (۳: آل عمران۔ ۱۸۶)

گویا ان تمام آیات مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی تشخیص قدر میں فرد کی مختلف طریقوں سے آزمائش کر کے اس کی شخصیت کا اندازہ لگایا جائے گا کہ وہ کس معیار پر ہے اس لئے سورۃ الملک میں ارشاد ہے:

ليبلوكم ايكم احسن عملا

ترجمہ: تاکہ لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ (۶۷: الملک۔ ۲)

© rasailojaraid.com

اس آیت مبارکہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آزمائش سے فرد کی شخصیت کے معیار کو پہچاننا اور معیار قائم کرتا ہے۔

الغرض اسلامی تشخیص قدر میں ہمہ گیریت، مسلسل عمل، مجموعی ریکارڈ انفرادی اختلاف اور مختلف طریقہ کار کے ذریعے مقصدیت کا پتہ چلایا جاتا ہے کہ فرد کس معیار پر ہے۔

اسلامی تشخیص قدر کا طریقہ کار:

اسلامی تشخیص قدر میں فرد کی شخصیت کی جانچ کے لئے مختلف طریقہ ہائے کار استعمال کئے گئے ہیں جس میں فرد مال سے، جان سے، آبرو سے، کم رزق سے، کم آمدنی سے اور اولاد کے ذریعے آزمایا جاتا ہے۔ اس چیز کو قرآن حکیم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے آزمائش کریں گے۔

اس آیت مبارکہ میں مختلف طریقہ کار کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ جس انداز سے چاہا جائے گا اسی انداز سے آزمایا جائے گا اور یہ آزمائش بھی الگ الگ و انفرادی طور پر ہو گی کوئی کسی پر بھروسہ نہ کر سکے گا ہر فرد کو اپنے آپ کو خود امتحان کے لئے تیار کرنا ہے اور یہ تیاری بھی اس طرح سے کہ زندگی کا ہر عمل اصول و ضوابط کے تحت ہو اس لئے ارشاد ہوا۔

لنا اعمالنا ولكم اعمالكم

ترجمہ: ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔ (۴۲: شوریٰ، آیت ۱۵)

اسلامی تشخیص قدر میں ہر فرد کے ہر عمل کا حساب لیا جائے گا کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی جائے گی سب کچھ سامنے رکھ دیا جائے گا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره

ترجمہ: پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔ (۹۹: الزلزال۔ ۷،۸)

وضاحت: قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ انسان ایک ذمہ دار مخلوق ہے جو اچھے یا برے کام کرتا ہے اس کے لئے جواب دہ ہے فرمایا ''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف لوٹایا نہیں جائے گا'' دوسری جگہ ہے کہ ''تمہارے کان، آنکھیں اور تمہارا دل

© rasailojaraid.com

سب سے باز پرس کی جائے گی اسی حقیقت کو یہاں ایک نئے اسلوب سے بیان کیا جا رہا ہے کہ بڑے بڑے اعمال حسنہ یا افعال سیۂ کا تو کیا پوچھنا اللہ تعالیٰ کے ہاں تو یہ اصول طے پا چکا ہے کہ اگر ذرہ کے برابر کوئی نیکی کرے گا تو اس کو صلہ ملے گا معمولی سے معمولی گناہ کو بھی پورے اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا جائے گا"۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر سے یہ بات واضح ہوگی کہ اسلامی تشخیص تدریس فرد کی ہمہ گیر معلومات کا باقاعدہ ریکارڈ رکھ کر اس کے اعمال کا حساب کیا جائے گا اور ان اعمال کو میزان ناپا جائے گا اس چیز کو قرآن حکیم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

والوزن یومئذ الحق فمن ثقلت موازینه فاولئک هم المفلحون ومن خفت موازینه فاولئک الذین خسروا انفسهم.

ترجمہ: اور اعمال کا تولنا اس دن برحق ہے۔ پس جن کے بھاری ہوئے ترازو تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں اور جن کے ہلکے ہوئے ترازو تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو۔

(۷: اعراف: ۸)

اس آیت مبارکہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فرد کو زیادہ اچھے اعمال کے صلے میں جنت ملے گی اور زیادہ بد اعمال کے بدلے میں جہنم ملے گی گویا اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے انصاف کے ساتھ تمہارے ہر عمل کا جائزہ پیش کیا جائے اور اس ہی کے حساب سے نتیجہ بیان کر کے صلہ دیا جائے اس جگہ اس بات کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ امتحان میں پاس ہونے کی شرط ۵۱ فیصد ہے۔ دوسری جانب یہ بھی طریقہ بیان کر دیا گیا کہ اگر کسی فرد کی نیکیاں اور بدی دونوں برابر ہیں یعنی ۵۰ فیصد نیکی اور ۵۰ فیصد بدی ہے تو ایسے لوگوں کے لئے سورۃ اعراف میں جنت و دوزخ کے درمیان اعراف کا مقام بتایا گیا ہے جہاں وہ لوگ ہوں گے مفسرین کا اجماع ہے کہ ان لوگوں کو جنت دے دی جائے گی اس کے لئے قرآن حکیم میں یہ آیت پیش کی جا سکتی ہے کہ:

ان الحسنت یذهبن السیات

ترجمہ: بے شک نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ (۱۱: ھود۔ ۱۱۴)

اس سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں ایسے شخص پر اللہ کی رحمت غالب آئے گی اور وہ جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ الغرض اسلامی تشخیص قدر میں یہ طریقہ بیان کیا گیا کہ آزمائش جب، جس وقت جس طرح چاہیں لی جا سکتی ہے۔ ہر فرد انفرادی طور پر۔ خواب وہ ہے اس کی آزمائش اس کی استعداد کے مطابق

جائے گی۔ تمام اعمال کو مجموعی ریکارڈ میں محفوظ رکھا جائے گا جو مسلسل عمل کے تحت ترتیب دیا جائے گا پھر اعمال کا حساب ہوگا جس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی ان کو پاس کر دیا جائے گا یعنی جو ۵۱ فیصد نمبر حاصل کرے گا۔

اسلامی تشخیص قدر پر طائرانہ نظر:

اسلامی تشخیص قدر کو بغور دیکھا جائے تو یہ ایک سائنٹیفک طریقہ کار ہے جس طرح سائنسی عمل میں کسی شے کے بارے میں مکمل تجزیہ کر کے اس کی ہیئت کے بارے میں رائے دی جاتی ہے اسی طرح اسلامی تشخیص قدر میں فرد کی شخصیت کے تمام پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے کارکردگی پر غور کیا جاتا ہے، ہر عمل کا خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی، خواہ بچپن ہو یا بلوغت کا یا خواہ وہ صحت کا ہو یا بیماری کا، آمدنی کی زیادتی کا ہو یا کمی کا، کھیل کے میدان کا ہو یا گھر کے ماحول کا، اندرون ملک کا ہو یا بیرون ملک کا، دوستی کا ہو یا دشمنی کا، المختصر فرد کے ہر لمحے کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے اور فرد کی جانچ جب چاہیں جس انداز سے چاہیں کی جا سکتی ہے اور ان اعمال کو میزان کے ذریعے ناپا جا سکتا ہے۔ اور یوں ۵۱ فیصد پر کامیاب قرار دے کر معیار قائم کیا جا سکتا ہے اور پھر نتیجتاً اسی معیار پر صلہ بھی دیا جا سکتا ہے اور یہی ہے اسلامی تشخیص قدر کا نظریہ۔

الغرض اسلامی تشخیص قدر ایک جدید سائنٹیفک طریقہ کار ہے جو جدید تقاضے کے تحت ہے جو ہمہ جہتی معلومات، مسلسل عمل، مجموعی ریکارڈ پر انحصار کرتے ہوئے فرد کی شخصیت کا معیار قائم کرتا ہے۔

قومی نظام تعلیم پر اسلامی تشخیص قدر کا اطلاق

ہمارے نظام تعلیم میں سیکنڈری اسکولوں میں تشخیص قدر کا طریقہ کار ششماہی و سالانہ امتحانات پر منحصر ہے جس میں ششماہی امتحان کو اہمیت حاصل نہیں ہے۔ وہاں امتحان کے حاصل کردہ نمبرات پر معیار قائم کیا جاتا ہے۔ لیکن اسلامی تشخیص قدر کا نظام ایک مکمل عمل ہے جو فرد کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا مکمل احاطہ کر کے فرد کی شخصیت کا معیار قائم کرتا ہے جس میں مقصدیت، ہمہ جہتی، معلومات، ذہنی تیاری اور آزمائش بھی شامل ہے۔ گویا تشخیص قدر کا اسلامی نظریہ ایک مکمل اور سائنٹیفک طریقہ کار ہے ذیل میں جس کے نکات کی وضاحت کو ضروری سمجھا گیا ہے۔

۱۔ مقصدیت ۲۔ تیاری ۳۔ وقت ۴۔ امتحانات ۵۔ نمبرات ۶۔ مجموعی ریکارڈ ۷۔ معیار

مقصدیت:

ہمارے نظام تعلیم میں طلبہ کو حصول تعلیم کی مقصدیت سے آگاہ نہیں کیا جاتا جب کہ اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تشخیص قدر میں فرد کی زندگی کا مقصد بیان کر دیا گیا ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ طلبہ کو تدریسی مقاصد سے آگاہ کیا جائے اور ان کو یہ بتایا جائے کہ آزمائش انہی مقاصد کے حصول کے تحت ہوگی۔

تیاری:

اسلامی تشخیص قدر میں چوں کہ فرد کے حال کا مسلسل جائزہ لیا جاتا ہے لہٰذا فرد کو اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ جب چاہا جائے گا جس طرح چاہا جائے گا آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا۔ گویا یہ فرد کو ہمہ وقت تیار رہنے کا حکم دیتا ہے۔ لہٰذا تشخیصی زاویہ نقطہ نگاہ سے ہمیں اپنے طلبہ کی تیاری اس طرح کرانی چاہیے کہ وہ اپنے تدریسی عمل کی جواب دہی کے لئے ہمہ وقت تیار رہیں۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے طلبہ کی شخصیت کا مسلسل جائزہ و معیار برقرار رکھنا مقصود ہے یہ بھی بتا دیا جائے کہ آزمائش کس کس انداز سے ہوگی کیوں کہ طریقہ کار اسلامی تشخیص قدر میں واضح کر دیا گیا۔ "تمہاری آزمائش خوف وخطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے کی جائے گی" (۱:البقرہ۔۱۵۵)

وقت:

ہمارے نظام تعلیم میں طلباء کی آزمائش کے لئے وقت کا تعین کر دیا جاتا ہے اور طلبا اس مخصوص امتحان میں کامیابی کے لئے تیاری کرتے ہیں جبکہ اسلامی تشخیص قدر کے نظریہ کے مطابق طلبہ کی آزمائش اچانک بار بار کی جائے تاکہ طلبہ ہر وقت آزمائش کے لئے تیار رہیں جس سے شخصیت کو صحیح معنوں میں سمجھا جا سکتا ہے اور سال بھر تمام آزمائش جمع کرانا چاہیے تاکہ سال کے آخر میں کامیابی، تعین اور معیار قائم کرنے میں آسانی ہو۔

امتحانی پرچہ:

ہمارے ہاں امتحانی پرچہ ایک جماعت کے تمام فریق کے طلبہ کے لئے بنایا جاتا ہے۔ جب کہ درس و تدریس کا عمل مختلف اوقات میں مختلف انداز سے مختلف اساتذہ کی زیر نگرانی وقوع پذیر ہوتا ہے اور طلبہ بھی انفرادی اختلافات رکھتے ہیں اسلامی تشخیص قدر میں ہر فرد سے استعداد کے تحت الگ الگ امتحان مختلف انداز سے لیا جاتا ہے جس کی مثال انبیاء کرام کی آزمائشیں ہیں اس لحاظ سے ہمیں چاہیے کہ اپنے نظام تعلیم میں اسی انداز سے طلباء کی ذہنی، جسمانی، معاشی اور معاشرتی حیثیت کو جان کر ان کے لئے الگ الگ امتحانات تیار کئے جائیں جس سے طلبہ کی فطری صلاحیتیں ابھریں اور نفسیاتی تقاضے پورے ہوں اس کے لئے تحریری، معروضی، تقریری (مباحثہ، مسئلی) زبانی، معاشرتی سائنس کے امتحانات لئے

جائیں کیوں کہ اسلامی تشخیص قدر کے تحت طلبا کی شخصیت کے ہر پہلو کو جاننا ہے اور اس پر معیار قائم کرنا ضروری ہے۔

نمبرات:

ہمارے نظام تعلیم میں ۳۳ فیصد پر پاس کیا جاتا ہے جو کہ اسلامی تشخیص قدر کے خلاف ہے اسلامی تشخیص قدر کے لحاظ سے ہمارے نظام تعلیم میں طلبا کو ۵۱ فیصد پر پاس کیا جانا چاہیے اور پرچہ کی جانچ پر جتنا حق طلبہ کا بنتا ہے اس کی روشنی میں اس کو دیانت داری سے جانچا جائے اگر کوئی طالب علم ۵۰ فیصد نمبر حاصل کرتا ہے تو اس کو کچھ عرصے بعد اگلی جماعت میں ترقی دے دینی چاہیے کیونکہ وہ اس کا حقدار ہے۔ قرآن حکیم میں سورۃ اعراف میں ایسے لوگوں کو جنت دینے کی بشارت ہے۔

اگر کوئی طالب علم ایسا ہے جو کسی وجہ سے ۵۰ فیصد سے کم نمبرات ۴۸، ۴۹ یا اس سے قریب حاصل کرتا ہے اور مجموعی ریکارڈ اور مشاہدات اس کے اچھے ہیں تو اس کو بھی اگلی کلاس میں ترقی کی سفارش کی جا سکتی ہے کیوں کہ اس بات کو مدنظر رکھا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کسی خاص وجہ سے نمبرات حاصل نہ کر سکا ہو۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

ترجمہ: بے شک نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ (۱۱:ھود۔۱۳۱)

مجموعی ریکارڈ:

اسلامی تشخیص قدر میں فرد کے تمام افعال کا ریکارڈ رکھا جائے گا اور ان ریکارڈ کو فرد کے سامنے یوم حساب میں دکھایا جائے گا تاکہ ہر فرد سزا و جزا کے لئے تیار رہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے نظام تعلیم میں چاہیے کہ طلباء کی ہمہ جہتی معلومات کے مجموعی ریکارڈ دیانت داری سے مرتب کریں۔ جس میں گھر، مدرسہ، کھیل کا میدان، دوستی کے انداز، دشمنی کا رویہ، بڑوں سے اور اساتذہ سے تعلقات گویا تمام افعال و مشاہدات کے ہر ہر لمحے کا ریکارڈ مرتب کیا جائے۔ اسلامی تشخیص قدر میں ہر فرد کو احتساب کرنا پڑتا ہے بعض اعمال کو خود دیکھنا پڑتا ہے اور راہ کا تعین کرنا پڑتا ہے کہ آئندہ کیا کرنا ہے۔ اس ضمن میں ہم طلبہ کو ایسا کتابچہ دے سکتے ہیں جس کے ذریعے طلبہ خود اپنا ذاتی ریکارڈ مرتب کریں، اس سے ان میں احتساب و دیانتداری کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ دوسری جانب اسکول کے عملے کو چاہیے کہ مدرسہ کے ماحول میں طلبہ کے مشاہدات کر کے ریکارڈ تیار کرے۔ والدین کے ذریعے بچے کے متعلق رائے اور معلومات حاصل کی جائے چوتھی جانب آزمائشوں میں حاصل کردہ نمبرات کا ریکارڈ محفوظ رکھا جائے۔ جو تشخیص قدر کے لئے بنیادی شرط کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیثیت رکھتا ہے۔

معیار:

جب آزمائش کے ذریعے نمبرات دے دیے جائیں تو مجموعی ریکارڈ کو سامنے رکھ کر اور حاصل کردہ نمبرات سال بھر کے آزمائشوں کے ذریعے یکجا کر کے طلبا کا معیار متعین کیا جائے پھر سال کے آخر میں طلبا کا معیار قائم کیا جائے جو "کیفی" اور "عددی" (مقداری) صورت پر منحصر ہو پھر اگلے درجے میں ترقی دی جائے۔

فکری و تحقیقی نشست کا اہتمام

مجلس تفسیر، جامعہ کراچی کے زیرِ اہتمام ہر انگریزی مہینے کے پہلے اتوار کو صبح دس بجے، ایک ماہانہ علمی و فکری و تحقیقی نشست کے اہتمام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ جس میں اسلام اور اسلام کے تعلق سے پیدا ہونے والی مختلف النوع تحقیقات کو مقالات کی صورت میں پیش کیا جائے گا۔ ہر نشست میں کسی بھی ایک صاحب فکر و نظر اور محقق کو اپنا مقالہ پیش کرنے کی اجازت ہوگی۔ مقالہ پیش کرنے یا اس نشست میں شریک ہونے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

مقالہ نگاروں سے گزارش ہے کہ وہ اپنا مقالہ پیش کرنے سے کم از کم ایک ہفتہ قبل، مجلس تفسیر کے سربراہ ڈاکٹر شکیل اوج سے رابطہ کر لیں۔ تا کہ مقالہ نگار اور ان کے عنوانِ مقالہ کی مناسب نشر و اشاعت قومی اخبارات کے ذریعے ممکن ہو سکے۔

مجلس میں پیش کیے جانے والے منتخب مقالات مجلہ "التفسیر" میں شائع کیے جائیں گے۔

فکری نشست کا انعقاد C-43 اسٹاف ٹاؤن، یونیورسٹی کیمپس، یونیورسٹی آف کراچی میں کیا گیا ہے۔

برائے رابطہ: 021-4802368

0300-2236558

E-mail: sascom7@yahoo.com

اسلام اور دہشت گردی عصرِ حاضر کے تناظر میں

شاکر حسین خان

ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

اسلام دینِ فطرت و دینِ اکمل ہے، اس دین میں انسانی زندگی سنوارنے اور اس کی تعمیر کرنے کی مکمل صلاحیت موجود ہے، یہ دین ایک مکمل نظامِ حیات رکھتا ہے، انسان اسلام کے پیش کردہ سنہرے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا و عاقبت دونوں سنوار سکتا ہے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس دین کی تبلیغ کے لیے تشریف لائے اور آخر کار اس دین کی تکمیل جناب خاتم النبیین رسول اللہ ﷺ پر آیت الیوم اکملت لکم دینکم (الخ)[۱] کے نزول کے موقع پر ۹ ذی الحجہ سن ۱۰ ہجری بمقام عرفات بروز جمعہ ہوئی[۲] اور اسلام کو تا قیامت آنے والے لوگوں کے لیے دین قرار دے دیا گیا، اس دین کو اللہ تعالیٰ نے بھی پسند فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ان الدین عند اللہ الاسلام[۳] "بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، گویا دین سے مراد صرف اسلام ہے اور اسلام کے سوا باقی تمام ادیان باطل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ[۴] "اور جو کوئی اسلام کے سوا دوسرا دین چاہے تو وہ ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا"۔

دین کے ایک معنی جزا کے ہیں، دین کو دین اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جزا کا سبب بنتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ملك يوم الدين٦ ''مالک روز جزا کا'' اس آیت کے تحت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رقم طراز ہیں ''دین کا معنی ہے حساب اور جزا البید کہتا ہے حصادك يوما زرعت وانما يدان الفتى يوما كما هوا دائن ثواب وعذاب کی تعبیر لفظ ''دین'' سے کی تا کہ پتہ چلے کہ یہ ثواب و عذاب بلاوجہ نہیں بلکہ ان کے اپنے اعمال کا طبعی ثمر ہے۔ ٧

اسلام کا مادہ اشتقاق سلم ہے اسکے لغوی معنی بچنے، محفوظ رہنے اور امن وسلامتی میں آنے کے ہیں، اسکے باب افعال سے لفظ اسلام بنا ہے جس کے معنی امن وسلامتی کے ہیں، اسلام میں امن وسلامتی کا مفہوم دو اعتبار سے موجود ہے ایک یہ کہ خود امن وسلامتی پالینے سے عبارت ہے اور دوسرا یہ کہ دوسروں کو سلامتی فراہم کرنے سے عبارت ہے۔ ۸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ۹ کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده (الخ) ١٠ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اس حدیث میں اسلام کا مادہ اشتقاق سلم موجود ہے گویا مسلمان ہونا، اسلام قبول کرنا نام ہے اپنے آپ اور دوسرے لوگوں کو محفوظ کرنے کا، خود کا اور دوسروں کو امن وسلامتی پہنچانے کا۔ ان معنی سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلام سراپا ہے امن وسلامتی کا، اگر انسان اسلام قبول کرلے تو وہ سلامتی پالیتا ہے اگر کوئی انسان کسی مسلمان کے پاس آجائے تو وہ سلامتی میں آجاتا ہے اگر کسی خطۂ ارض پر اسلام کا عملی نفاذ ہو جائے تو وہ جگہ دارالاسلام ہو جاتی ہے۔

سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا اسلامی فضائل اخلاق میں سے ایک خلق ہے، اسلام نے سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کو اہمیت دی ہے، سلام کرنا مسلمانوں کا شعار اور اسلامی معاشرے کا رواج ہے لوگوں کو سلام کرنا مستحب اور سلام کا جواب دینا واجب ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے یہود اور نصاریٰ کے سلام کا جواب دینے کا بھی حکم ارشاد فرمایا ١١ اور آپ کی سنت سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے ایک ایسی مجلس کو سلام کیا جس میں متعدد مذاہب کے لوگ تھے ١٢ ''السلام علیکم'' کے معنی ہیں آپ پر سلامتی ہو، سلام کو عام کرنے سے سلامتی کا معاشرہ تشکیل پاتا ہے اس لیے اسلام میں سلام کرنے کا حکم موجود ہے۔ متعدد احادیث سلام کرنے کی فضیلت واہمیت پر وارد ہوئی ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ ١٣ یعنی کلام سے پہلے سلام کرنا چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اذا انتهى احد

© rasailojaraid.com

كم الى مجلس فليسلم فان بداله ان يجلس فليجلس ثم اذا قام فليسلم ١٤ ''جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو سلام کرے پھر اگر بیٹھنے کی ضرورت ہو تو بیٹھ جائے اور جب چلنے لگے تو دوبارہ سلام کرے''۔ ایک حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ نزدیک وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے ١٥ ایک حدیث میں آیا کہ اسلام کی سب سے اچھی عادت لوگوں کو کھانا کھلانا اور ہر آشنا و نا آشنا کو سلام کرنا ہے ١٦ کھانا انسان کی اہم ترین ضرورت ہے۔ مسلمانوں کا یہ رواج ہے کہ مختلف مواقع پر عزیزوں، دوستوں اور غریبوں کے لیے کھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ سلام کرنا سلامتی کی دعا ہے ان افعال پر عمل پیرا ہونے سے انسانوں میں آپس میں اُنس پیدا ہوتا ہے۔ یہ ہی نہیں بلکہ سلام کرنا بعض اوقات لوگوں کو برائی سے روکنے کا بھی ذریعہ بن جاتا ہے برے لوگوں کو سلام کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا طریقہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے و عباد الرحمن الذين يمشون على الارض هونا و اذا خاطبهم الجهلون قالوا سلما ١٧ اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی اور وقار سے چلتے ہیں اور جب کوئی جذباتی ان سے الجھنے لگتا ہے تو وہ اس پر سلامتی بھیجتے ہیں (یعنی ان سے الجھتے نہیں)۔

صلوٰۃ (نماز) اسلام کا ایک اہم رکن ہے اسلام نے اس اہم ترین عبادت (نماز) میں بھی سلام کو فرض قرار دیا، مسلمان دوران نماز نبیوں اور اللہ تعالیٰ کے دیگر مقبول بندوں پر سلام پیش کرتے ہیں اور اختتام نماز اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوق کو بھی سلام میں شامل کرلیتے ہیں اسلام کے ماننے والے خود بھی سلامتی پاتے ہیں اور دوسروں پر بھی سلامتی کا باعث بنتے ہیں اسلام کے ماننے والوں پر دنیا میں بھی سلامتی ہے اور آخرت میں بھی سلامتی ہوگی، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، فمن تبع هداى فلا خوف عليهم و لا هم يحزنون ۔ ١٨ ''تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔ یعنی اسلام کا پیروکار ہر خوف وحزن سے نجات حاصل کرلیتا ہے، وہ سلامتی میں آجاتا ہے اس پر دنیا میں بھی سلام ہوتا ہے اور آخرت میں بھی، اس پر خالق کا بھی سلام ہوتا ہے اور مخلوق کا بھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تحيتهم يوم يلقونه سلم ١٩ انہیں یہ دعا دی جائیگی جس روز وہ اپنے رب کریم سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو''۔

اللہ تعالیٰ جو ہمارا خالق و مالک ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے پیار و محبت، امن و آشتی سے اس کی دھرتی پر چل پھر رہے ہیں، اس کی دھرتی پر اس کے متعین کردہ احکامات کا عملی نفاذ کریں اور نیکی